تحقیق و تنقید

مشائخ چشت اور کسب معاش

ایک جائزہ

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی

گذشتہ چند سالوں میں تصوف کے مطالعہ میں دلچسپی بڑھی ہے اور اس موضوع پر بڑی وقیع تحقیقات سامنے آئی ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف پہلوؤں کا بڑی دقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تحقیقات مختلف نقاط نظر کی ترجمانی کرتی ہیں اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں غالب اکثریت ان مطالعات کی ہے جو خالصۃً عقیدت مندانہ نقطۂ نظر سے کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے تمام تر کاوش اور عرق ریزی کے باوجود یہ تحقیقات مخصوص حدود سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ ان کا اپنا ایک متعین انداز فکر اور نقطۂ نظر ہوتا ہے اور وہ زیر بحث موضوعات کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتیں، چنانچہ وہ بہت سی ایسی چیزوں کو جن میں سے اکثر کی حقیقت مفروضات سے زیادہ نہیں ہوتی، مسلم الثبوت حقائق کی حیثیت سے مان کر چلتی ہیں۔ ایسی صورت حال میں کیوں اور کیسے جیسے سوالات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ عقیدت و محبت کی نگاہ میں ناممکن بھی عین ممکن نظر آنے لگتا ہے اور اس باب میں کسی شک و شبہ کا اظہار محض کج فہمی اور روحانی نارسائی کی علامت بن جاتا ہے۔

ماضی قریب میں ایسی کوششیں بھی سامنے آئی ہیں جن میں تصوف کو تنقیدی اور تحلیلی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے[1] اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ خالص معروضی نقطۂ نظر سے ابھی اس موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے۔ اس قسم کے جو کام ہوئے بھی ہیں وہ زیادہ تر معتقدات و نظریات اور اعمال و افکار تک محدود ہیں۔ تصوف کے تنظیمی ڈھانچے اور اس کے مختلف اجزاء ترکیبی کے بارے میں بھی اب کسی قدر معلومات دستیاب ہیں۔ البتہ ابھی تک تصوف کے معاشرتی اور سماجی پہلو کی طرف کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ گوناگوں معاشرتی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں صوفیاء کرام کے نقطۂ نظر اور طرز عمل

کا تجزیہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان کو اپنی سماجی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا کس حد تک احساس و ادراک تھا اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لیے وہ کیا طریق کار اختیار کرتے تھے۔ آخر صوفیا کرام بھی اپنے عہد کے سماجی ڈھانچے کا ایک عنصر تھے۔ عام انسانوں سے ان کی زندگیاں کتنی ہی مختلف کیوں نہ رہی ہوں پھر بھی وہ انسانی معاشرہ کا ایک حصہ تھے اور یہی معاشرہ ان کا دائرہ عمل اور میدان کار تھا جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جانے والے تارک الدنیا صوفیا کرام بھی اس ربع مسکون پر رہنے بسنے والوں سے یکسر بے تعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کی جڑیں بھی اسی سرزمین میں پیوست تھیں، روحانیت کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہونے اور اس کے لطیف ترین حقائق سے آشنا ہونے کے باوجود وہ انسان ہی رہتے تھے اور علائق سے دوری و مہجوری کے باوجود ان کا رشتہ انسانی معاشرہ سے کسی نہ کسی سطح پر قائم و باقی رہتا تھا۔

اس قسم کے مطالعہ سے جو نتائج سامنے آئیں گے ان کی روشنی میں کسی حد تک یہ فیصلہ کرنا ممکن ہو سکے گا کہ انسانی معاشرہ سے صوفیا کرام کے تعلق کی نوعیت کیا تھی اور وہ فقر و زہد اور ترک دنیا کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کے باوجود اپنے وجود و بقا کے لیے سماج کی اجتماعی اور شعوری کوششوں اور تعاون پر کس حد تک انحصار کرتے تھے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ہم کسب معاش کے سلسلہ میں دور اول کے مشائخ چشت کے طرز عمل کا جائزہ لے رہے ہیں۔ کسب معاش انسان کی ایک بنیادی ضرورت بھی ہے اور ایک نہایت اہم فریضہ بھی۔ خالق کائنات نے انسانی جسم کی کچھ ضروریات ایسی رکھی ہیں جنھیں غیر معمولی حد تک کم تو کیا جا سکتا ہے لیکن یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ان بنیادی اور فطری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور عموماً انسانی معاشرہ کے ارکان ان کو محنت و مشقت سے اور پسینہ بہا کر حاصل کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سلسلہ میں صوفیا کرام کا طرز عمل کیا تھا اور وہ اپنی ان بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرتے تھے۔ کیا وہ بھی عام انسانوں کی طرح محنت و مشقت کر کے اپنے لیے قوت لایموت کا اہتمام کرتے تھے یا ان کے نزدیک یہ فریضہ ان کی اپنی ذمہ داریوں میں شامل نہیں تھا۔ وہ روحانیت کے ان اعلیٰ مدارج پر فائز تھے جہاں مادیت کی کثافتوں کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ حقائق و معارف کی ان لطافتوں سے بہرہ مند تھے جن کے آگے

دو عالم ہیچ نظر آتے ہیں۔ انھیں اپنے اندرون ... رتبہ اور تہذیب سے اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ اپنی ظاہری اور جسمانی ضروریات کی طرف توجہ دے سکتے۔ چنانچہ یہ ذمہ داری اہلِ دنیا کے سر عائد ہوتی تھی کہ وہ ان کی ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کا وسیلہ بنیں اور اس طرح ایک طرف تو ان برگزیدہ ہستیوں کو ان بے مایہ سرگرمیوں سے محفوظ رکھیں اور دوسری طرف اپنے لیے خیر و برکت کا کچھ سامان کرسکیں۔

اس قسم کے مطالعہ کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اکثر ان مسائل پر سرسری اور عمومی انداز میں بحث کی جاتی ہے اور چند منتخب واقعات و اقوال کی روشنی میں قاعدہ کلیہ بنالیا جاتا ہے[الف]۔ واقعہ یہ ہے کہ چند واقعات اور مثالوں کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنے سے اصل صورت حال سامنے نہیں آسکتی۔ زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ ——— ——— ایسی صورت میں یکسر غلط اور دور از کار نتائج اخذ کیے جائیں اور حقیقت تک رسائی نہ ہوسکے چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں تہاں سے واقعات اور مثالیں جمع کرنے اور ان کی روشنی میں کسی نتیجہ تک پہونچنے کے بجائے تصوف کی پوری تعلیمات اور مجموعی مزاج کو سامنے رکھا جائے اور اس پوری صورت حال کی روشنی میں نتائج اخذ کیے جائیں۔ اس طرح جو نتائج سامنے آئیں گے وہ حقیقت سے قریب تر ہوں گے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسب معاش کے سلسلہ میں صوفیائے کرام کا رویہ اس وقت تک صحیح طور پر متعین کیا ہی نہیں جاسکتا جب تک معاشرہ کے تعلق سے ان کے مجموعی اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو نہ سمجھ لیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے گوناگوں مسائل اور معاملات کے سلسلہ میں کسی فرد یا جماعت کا رویہ اور نقطۂ نظر دراصل اس عمومی رویہ اور نقطۂ نظر کا پرتو ہوتا ہے جو وہ فرد یا جماعت زندگی کے وسیع تر مسائل اور معاملات کے باب میں بحیثیت مجموعی اختیار کرتی ہے۔ عملاً یہ ممکن نہیں ہے کہ مختلف معاملات میں مختلف رویے اپنائے جائیں جن میں کوئی قدرِ مشترک نہ پائی جائے۔ زندگی ایک اکائی ہے جس کے بہت سے مظاہر ہیں اور اس کے بارے میں رویہ بھی بنیادی طور پر ایک ہی ہوگا البتہ حالات و معاملات کے تغیر کے ساتھ ساتھ اس کے مظاہر بھی بدلتے رہیں گے لیکن ان کے اندر ایک قدرِ مشترک اور مقاصد کی وحدت بہر صورت باقی رہے گی۔ اس تناظر میں یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ جس گروہ یا جماعت کے اندازِ فکر اور نقطۂ نظر کو سمجھنا ہو اس کے

بارے میں پہلے یہ معلوم کیا جائے وہ اس کارگاہ حیات میں اپنے لیے کیا کردار متعین کرتی ہے۔ اس باب میں اس کا اپنا ادراک کیا ہے نیز یہ کہ وہ دنیا کے سامنے اپنی کیا تصویر پیش کرنا چاہتی ہے۔ جب تک یہ مجموعی صورت حال سامنے نہ ہو کسی مخصوص مسئلہ کے تعلق سے کسی گروہ یا جماعت کے رویہ کی نشاندہی کرنا سخت غلطی ہوگی اور زیادہ امکان اسی بات کا ہوگا کہ یکسر غلط نتائج اخذ کیے جائیں اور حقیقت ظن و تخمین کی دبیز کہر کے نیچے چھپی رہ جائے۔ چنانچہ یہ بات نہ صرف مناسب بلکہ نہایت ضروری ہے کہ کسب معاش کے باب میں مشائخ چشت کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور اس کے مضمرات سے آگاہ ہونے کے لیے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ خود اس دنیا کے بارے میں صوفیاء کرام کا تصور کیا ہے اور اس کے اندر وہ اپنا کیا کردار متعین کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد کسب معاش کے بارے میں مشائخ چشت کے نقطۂ نظر کا تعین آسان ہو جائے گا اور پوری صورت حال خود بخود ابھر کر سامنے آجائے گی۔

صوفیاء کرام کا دنیا کے بارے میں تصور یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر بری چیز ہے اور تمام تر برائیوں کا سرچشمہ ہے اور اس کے باعث قابل نفرت ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے[۱] امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا اللہ اور اولیاء اللہ کی دشمن ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کرنے کے بعد پھر اس کی طرف نہ دیکھا[۲] صوفیاء کرام کا یہ پختہ یقین ہے کہ خدا کی محبت اور حبّ دنیا کسی دل میں جمع نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی اس کا دعویٰ کرے تو وہ غلط بیانی کرتا ہے[۳] ایسا ممکن ہی نہیں ہے اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں۔ دنیا سے نفرت و وحشت کی شدت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جسے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بیان فرمایا ہے۔

> "اس موقع پر حضرت خواجہ نے ترک دنیا کے متعلق یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ ایک بزرگ سطح آب پر مصلا بچھائے نماز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خداوندا خضر کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں انھیں توبہ کی توفیق دے۔ اسی دوران خضر حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اے بزرگ مجھ سے کس کبیرہ کا ارتکاب ہوا ہے جس سے میں توبہ کروں۔ بزرگ نے کہا کہ تم نے صحرا میں ایک درخت لگایا ہے۔ اس کے سائے میں

تم بیٹھتے ہو اور آرام کرتے ہو اور اس کے باوجود بھی یہ کہتے ہو کہ تم نے یہ کام خدا کے لیے کیا ہے۔ خضر نے فوراً استغفار کیا۔ پھر اس کے بعد اسی بزرگ نے ترک دنیا کے باب میں خضر سے یہ کہا کہ ایسے زندگی گزارو جیسے کہ میں رہتا ہوں۔ خضر کے پوچھنے پر وہ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں اس بزرگ نے یہ کہا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ اگر پوری دنیا مجھے دیں اور کہیں کہ اسے قبول کر لو اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اس کا کوئی حساب تم سے نہیں لیا جائے گا۔ غرض مجھے اس طرح دنیا دیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہدیں کہ اگر تم دنیا قبول نہ کرو گے تو تمہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو میں دوزخ قبول کر لوں گا مگر دنیا قبول نہیں کروں گا۔ خضر نے پوچھا آخر کیوں؟ اس بزرگ نے جواب دیا کہ اس لیے کہ دنیا حق تعالیٰ کو ناپسند (مبغوض) ہے اور ایسی چیز جسے خدا دشمن سمجھے میں اس کے بجائے دوزخ کو قبول کر لوں گا لیکن دنیا کو قبول نہیں کروں گا۔"[۵]

اقتباس کسی قدر طویل ہو گیا لیکن اس سے دنیا کے بارے میں صوفیائے کرام کے طرز عمل اور انداز فکر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ترک دنیا کے تصور کو تصوف نے کس انتہا تک پہونچا دیا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر سلطان المشائخ ایک دوسرے بزرگ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

"ایک پارسا بزرگ اکثر کہا کرتے تھے کہ نماز، روزہ، تسبیح اور اوراد دیگ کی ضروریات اور لوازم ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ دیگ میں گوشت ہونا چاہیے۔ دیگ میں گوشت ہی نہ ہو تو ان لوازم سے کیا بن سکتا ہے لوگوں نے بزرگ سے درخواست کی کہ آپ نے بارہا یہ مثال دی ہے اس کی کچھ شرح بھی فرمائیے۔ بزرگ نے فرمایا کہ گوشت ترک دنیا ہے اور نماز، روزہ، اوراد و تسبیح اس کے لوازم ہیں۔ آدمی کو سب سے پہلے تو یہ چاہیے کہ دنیا کو ترک کر دے اور کسی چیز سے کوئی تعلق نہ رکھے پھر چاہے نماز، روزہ، اوراد اور دوسری چیزیں ہوں یا نہ ہوں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر اس کے دل میں دنیا کی محبت ہے تو دعاؤں اور اوراد وغیرہ

سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت خواجہؒ ذکرہ اللہ بالخیر (سلطان المشائخؒ) نے فرمایا کہ اگر روغن، سیاہ مرچ، لہسن اور پیاز کو دیگ میں ڈالیں اور اس میں پانی ملاکر شوربا بنالیں تو اس کو جعلی یا جھوٹا شوربا کہتے ہیں۔ اصل شوربا وہ ہے جو گوشت سے بنے چاہے اس میں دوسرے لوازم ہوں یا نہ ہوں"[۲۶]

ان تصریحات کے بعد اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ تصوف کی بنیاد ترک دنیا کی اساس پر قائم ہے اور اس تصور کو تصوف کے نظام میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ترک دنیا زہد کا نشان امتیاز ہے جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الزهد يوجب ترك المزهو	زہد اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ
دفعيه بالكلية وهي الدنيا	جس چیز میں زہد کیا جائے یعنی دنیا کو اس
باسرها مع اسبابها ومقدماتها	کے تمام تر اسباب، لوازم اور علائق کے
وعلائقها[۲۷]	ساتھ ترک کردیا جائے۔

اور اب یہ بات محتاج ثبوت نہیں رہی کہ زہد تصوف کے ارتقاء میں پہلے مرحلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دراصل زہد کے باب میں غلو اور انتہا پسندی نے تصوف کی راہ ہموار کی اور اس کی نشو ونما کے لیے نظریاتی بنیاد فراہم کی۔

اس باب میں مشائخ صوفیہ کے اقوال وواقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا استقصاء ممکن نہیں۔ خود مشائخ چشت کے احوال وفرمودات، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے، اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ حضرات ترک دنیا کو اصل الاصول کی حیثیت دیتے تھے[۲۸] مولانا حسام الدین کو سلطان المشائخؒ نے جب اپنی خلافت سے سرفراز کیا تو ان کی وصیت کی درخواست پر تین بار ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا فرمایا اور کوئی اور وصیت نہ کی[۲۹] اس سے کسی قدر اس اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا جو ان کے نظام تربیت میں ترک دنیا کو حاصل تھی۔ اسی وجہ سے ترک دنیا کو راہِ سلوک کا پہلا قدم بتایا گیا ہے اور انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو دنیا سے پھیر دیں[۳۰]

اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ترک دنیا سے مراد محرمات ومنہیات کا ترک نہیں ہے۔ محرمات کا ترک اور نواہی سے اجتناب تو فرض عین ہے اور اس بارے میں

کسی بحث وتمحیص کی گنجائش نہیں۔ترک دنیا سے مراد جائز اور حلال اشیاء کا ترک ہے۔[۱۰]
دیار ہند میں چشتی سلسلہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تشریح کے مطابق اگر کوئی نواہی سے اجتناب اور اوامر پر عمل کرتا ہے تو اسے شریعت محمدیؐ کے بموجب تارک دنیا کہا جا سکتا ہے لیکن طریقت کی نظر میں تارک دنیا بننے کے لیے اتنا کافی نہیں۔طریقت میں صرف اسی کو تارک کہا جا سکتا ہے جو نو چیزوں کا پابند ہو۔ان نو چیزوں کی تشریح حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق شیخ حمید الدین ناگوری نے کی جو سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہیں۔ان میں سے چند چیزیں یہ ہیں: کسب نہ کرے، قرض نہ لے، سات دن تک بھوکا رہنے پر بھی کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ کسی سے مدد کا طالب ہو، کتنا ہی کھانا، غلہ، مال اور کپڑا آجائے اگلے دن کے لیے کچھ بچا کے نہ رکھے[۱۱] وغیرہ۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

فانّ التوبۃ عبارۃ عن ترك	تو یہ نام ہے ممنوعات کو چھوڑ دینے کا اور
المحظورات والزهد عبارۃ	زہد نام ہے مباحات کو چھوڑ دینے کا جو
عن ترك المباحات التی هی	نفس کے لیے باعث لذت ہیں۔چنانچہ
حظ النفس... والمقتصر علی ترك	ممنوعات کے ترک پر اقتصار کرنے والا
المحظورات لا لسمیٰ زاهداً وان	زاہد کہلانے کا مستحق نہیں اگرچہ اس نے
کان قد زهد فی المحظور و	ممنوعات میں زہد کیا اور ان سے کنارہ کشی
انصرف عنه ولکن العادۃ تخصص	کی۔اصطلاح میں زہد مباحات کو چھوڑنے
هٰذا لاسم بترك المباحات[۱۲]	ہی کا نام ہے۔

چنانچہ زہد کے اعلیٰ مدارج میں پختہ اینٹ کا بطور بالین استعمال کر لینا[۱۳] یا سر پر عمامہ باندھنا[۱۴] بھی ترک وتجرید کے منافی خیال کیا جاتا ہے۔پہلا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے اور دوسرا شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے خود اپنے بارے میں بیان کیا ہے۔
ترک دنیا کا صوفی تصور دنیا کے استعمال کی صرف اس حد تک اجازت دیتا ہے جس سے زندگی کا رشتہ قائم رہے اور ستر عورت کا فرض ادا ہو سکے۔

می باید کہ در دنیا بقدر سد جوع	بھوک مٹانے اور ستر پوشی سے زیادہ
و ستر عورت زیادہ تصرف نکند تا مردار	دنیا پر تصرف نہ کرے تاکہ مردار خوار نہ کہلائے
خوار نگردد۔الدنیا جیفۃ و آکلها کلاب	دنیا مردار ہے اور اس کو کھانے والے

وشر الکلاب من وقف علیها[۱۵] کتے اور سب سے برا کتا وہ ہے جو
وہیں پڑا رہے۔

شیخ نظام الدین نے جو یہ فرمایا ہے کہ: "ترک دنیا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے کپڑے اتار کر برہنہ ہو جائے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے البتہ جو کچھ آئے اسے خرچ کرتا رہے، جمع نہ کرے، اس کی طرف راغب نہ ہو اور کسی چیز سے وابستگی نہ رکھے۔[۱۶] اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ بقدر سد جوع اور ستر عورت دنیا کا تصرف ترک دنیا کے منافی نہیں ہے[۱۶الف] امام غزالیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف اسی قدر کھانا کھایا جائے جس سے بھوک کی شدت جاتی رہے اور مرض کا خوف نہ رہے اور جب اتنا مل جائے تو شام کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھا جائے[۱۷] کپڑے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ زاہد کے لیے شرط یہ ہے کہ جب کپڑا دھوئے تو کوئی اور کپڑا اس کے پہننے کے لیے نہ ہو بلکہ اسے گھر میں بیٹھنا پڑے۔ جب دو کرتے، دو پاجامے اور دو عمامے ہو جائیں تو پھر یہ زہد نہیں رہا۔[۱۸]

چنانچہ چند واقعات اور اقوال کو جہاں تہاں سے اکٹھا کر کے ان کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالنا کہ تصوف ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ ایک متوازن معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے جس میں معاشی، سماجی اور دینی امور میں ایک صحت مندانہ توازن قائم رہے[۱۹] حقیقت واقعہ سے بہت بعید ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ تصوف کا خمیر ترک دنیا کے تصور سے اٹھایا گیا ہے اور یہ تصور تصوف کے پورے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بغیر تصوف کی بیشتر تعلیمات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہ بات شاید کچھ عجیب لگے لیکن اگر تصوف کے پورے مزاج کو سامنے رکھا جائے اور اس کی تعلیمات کی روح کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو جو صورت ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تصوف نہ صرف یہ کہ واضح طور پر ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس کا معیار مطلوب ترک آخرت ہے۔ تصوف کی تعلیمات منطقی طور پر اسی منزل کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف اس تصور عبادت کی تلقین کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی اجر کی امید اور کسی سزا کے خوف سے نہ کی جائے بلکہ اس کی عبادت صرف اسی کے لیے کی جائے۔ امام غزالیؒ زاہد مطلق کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

والـذی یرغب عن کل ماسوی	جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی طرف
اللہ تعالیٰ حتی الفرادیس ولا	سے بے رغبت ہو جائے یہاں تک کہ
یحب الا اللہ تعالیٰ فہو الزاھد	جنتوں سے بھی رغبت نہ رکھے اور صرف
المطلق۔ والـذی یرغب عن	اللہ سے رغبت رکھے تو وہ زاہد مطلق
کل حظ ینال فی الدنیا ولـم	ہے اور جہاں تک اس کا تعلق ہے
یزھـد فی مثل تلک الحظوظ	جو حظوظ دنیا میں تو زہد کرے لیکن حظوظ
فی الآخرۃ بل طمع فی الحور	آخرت میں زہد نہ کرے بلکہ حور وقصور اور
والقصور والانہار والفواکہ فہو	نہروں اور میووں کی طمع رکھے تو زاہد
ایضا زاھد ولکن دون الاول[۳۰]	تو وہ بھی ہو گا لیکن پہلے سے کم۔

اس تصور کے زیر اثر جو مزاج تیار ہوتا ہے اس کی کسی قدر جھلک اس حکایت میں ملتی جو صوفیاء کرام کے حلقہ میں حضرت معروف کرخیؒ کے بارے میں بیان کی جاتی ہے شیخ نظام الدین اولیاؒ اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :

"اولیاء حق اور ان کے کمال محبت کی بات چل پڑی۔ اس نسبت سے فرمایا کہ کل روز قیامت میدان حشر میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو لایا جائے گا۔ وہ یوں نظر آئیں گے جیسے کوئی حد سے زیادہ مست ہو (مستی طافح)۔ انھیں دیکھ کر وہاں موجود لوگ حیران رہ جائیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں؟ آواز آئے گی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے اور اسے معروف کرخی کہتے ہیں۔ اس وقت معروف کرخی کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا وہ کہیں گے میں نہیں جاتا۔ میں نے تری پرستش بہشت کے لیے نہیں کی تھی۔ بعد ازاں فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کو نور کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے ہوئے بہشت میں لے جاؤ۔"[۳۱]

اسی تصور کی بازگشت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے یہاں سنائی دیتی ہے جب وہ فرماتے ہیں کہ درویش یہ دعا نہیں مانگتے کہ اللھم انا نسألک الجنۃ و نعوذ بک من النار، وہ تو خدا سے صرف خدا ہی مانگتے ہیں[۳۲] حضرت چراغ دہلیؒ ہی خواجہ ممشاد دینوریؒ کے بارے میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "ان کے دم واپسیں کے وقت ایک مرید نے ان کے لیے جنت کی دعا کی۔ خواجہ ممشادؒ اس وقت عالم سکرات میں تھے۔ آنکھ کھولی اور فرمایا کہ بھلا میرے لیے یہ کیا دعا کر رہے ہو؟ چالیس سال سے جنت میرے سامنے پیش کی جارہی

ہے اور میں نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی[۲۳]۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک مرحلہ وہ آتا ہے جب سالک راہ طریقت اس منزل میں پہونچ جاتا ہے جہاں

از خدای خدارا نیز نخواہد[۲۴]   خدا سے خدا کو بھی نہ مانگے!

اور پھر نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ سالک کو اگر نماز میں دنیا کا خیال آجائے تو اس پر صرف وضو واجب ہوتا ہے لیکن اگر عقبیٰ کا خیال آجائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے[۲۵]! جب صورت حال یہ ہو تو یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ تصوف نہ صرف ترک دنیا بلکہ ترک آخرت کی بھی تعلیم دیتا ہے۔

دنیا اور اس کے معاملات سے نفرت و عداوت کی اس شدت اور اس سے بہر طور بچنے اور دامن کش رہنے کی پرجوش تلقین و تبلیغ سے یہ بات ازخود نکلتی ہے کہ دنیا سے نفرت اور احتراز کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میں رہنے بسنے والے ان لوگوں سے بھی بچا جائے جو دنیا اور اس کے معاملات سے وابستہ ہیں۔ خواجہ بشرؒ فرماتے ہیں:

الزھد فی الدنیا ھو الزھد فی الناس[۲۶]   دنیا سے بے رغبتی کا مطلب ہے لوگوں سے بے رغبتی۔

یہی وجہ ہے کہ گوشہ نشینی (عزلت) تصوف کے بنیادی اجزاء ترکیبی میں سے ایک ہے چنانچہ اہل تصوف اہل دنیا کو، جن کو تصوف کی اصطلاح میں ابناء دنیا کے نام موسوم کیا جاتا ہے، ہمیشہ شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں سخت ترین الفاظ کے استعمال سے نہیں ہچکچاتے۔ واقعہ یہ ہے کہ تصوف خلوت کی چیز ہے جلوت کی نہیں۔ تصوف کے تمام تر مشاغل تنہائی اور یکسوئی کے طالب ہیں اور انسانوں سے دوری اور معاشرہ سے کنارہ کشی کا رجحان تصوف کی سرشت میں داخل ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

الزھد فی الدنیا ان تبغض اھلھا وتبغض ما فیھا[۲۶ الف]   دنیا میں زہد کا مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا سے نفرت کرو اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے نفرت کرو۔

اسی طرح ایک اور بزرگ اہل تصوف کو مشورہ دیتے ہیں کہ:

فرّ من الناس کفرارك من الاسد[۲۷]	لوگوں سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

چنانچہ صوفیاء کرام کے یہاں شہروں اور بستیوں کو چھوڑ کر جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں اور صحراؤں میں نکل جانے کا جو مستقل اور مستحکم رجحان پایا جاتا ہے اس کے پیچھے عوام الناس سے کنارہ کشی اور گوشہ گیری نیز تنہائی اور یکسوئی کی جستجو کا یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ بقول حضرت چراغ دہلیؒ:

درعشق چہ جائے خانہ داریست
مجنوں شو، کوہ گیر و بخروش[۲۸]

یا

دشت و کہسار گر، ہمچو وحوش[۲۹]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ صوفی آئیڈیالوجی میں دنیا اور اہل دنیا کے تعلق سے ایک نہایت سخت اور بے لچک رویہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ چند بنیادی چیزیں جن کی تعلیم سالک کو بالکل ابتداء ہی میں دی جاتی ہے اور جن کے بغیر راہ سلوک میں گویا قدم ہی نہیں رکھا جا سکتا ان میں قلت طعام، قلت منام کے ساتھ قلت الصحبۃ مع الانام شامل ہے[۳۰]

پیر ہری گفتہ است صحبت با خلق زہر است، تریاق آں تنہائی۔[۳۱]	پیر ہری نے کہا ہے کہ لوگوں کی ہم نشینی زہر ہے اور اس کا تریاق تنہائی ہے۔

ان تعلیمات کا لازمی نتیجہ دنیا اور اہل دنیا سے دوری اور کنارہ کشی کی صورت میں نکلتا ہے اور انسانی معاشرہ کے حوالہ سے ایک قطعی منفی طرز فکر و عمل کو جنم دیتا ہے، مزید براں اس کا ایک اور نتیجہ تعذیب نفس کی عجیب و غریب شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

صوفیاء کرام کے ادراک و احساس کے مطابق اس دنیا میں روحانی نقطۂ نظر سے ایک معیاری اور مثالی زندگی کا جو تصور ابھرتا ہے اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ انسان کے لیے تجرد اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ متاہلانہ زندگی اور اس کی ذمہ داریاں سکون خاطر کو درہم برہم کر دیتی ہیں اور وہ یکسوئی اور فراغ خاطر باقی نہیں رہتا جو متصوفانہ زندگی کے مشاغل کی بجا آوری کے لیے درکار ہے[۳۲] البتہ جو لوگ تجرد کی زندگی گزارنے پر قادر نہ ہوں اور ان کے لیے اپنے فطری رجحانات اور میلانات پر قابو پانا مشکل ہو اور یہ چیز ان کے

ذہنی انتشار کا باعث بننے لگے نیز یہ کہ مختلف شکلیں جوان رجحانات پر قابو پانے کے لیے تجویز کی گئی ہیں وہ سود مند ثابت نہ ہوں تو اسی صورت میں شادی کر لینے کی اجازت ہے[۳۳] البتہ یہ یاد رہے کہ ایک سالک کے لیے ازدواجی علائق سے دوری ہی بہتر ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں:

احب للمرید المبتدی الایشغل قلبہ ثبلاث والاتغیر حالہ: التکسب وطلب الحدیث و التزوج[۳۴]	مجھے یہ پسند ہے کہ مرید مبتدی تین چیزوں میں مشغول نہ ہو ورنہ اس کی کیفیت میں فرق آجائے گا: کسب، طلب حدیث اور شادی!

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں:

اذا تزوّج الفقیر فمثلہ مثل رجل قد رکب السفینۃ فاذا ولد لہ فقد غرق[۳۵]	صوفی جب شادی کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کشتی پر سوار ہو اور جب اس کے بچہ ہو گیا تب تو ڈوب ہی گیا۔

جن صوفیہ نے شادیاں کیں اور صاحب اولاد ہوئے ان کے طرز زندگی پر بھی ترک دنیا کے مخصوص صوفی تصور کی بھرپور چھاپ نظر آتی ہے۔ چنانچہ حسب ضرورت فتوح نہ پہونچنے کی صورت میں ان کے بیوی بچوں کو بھی بھوک اور ناداری کی سختیاں جھیلنی پڑتی تھیں اور ان حضرات کی طرف سے اس کے تدارک کی کوئی شعوری کوشش نہیں ہوتی تھی۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے اہل خاندان کے حالات کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس سلسلہ میں تصوف کا آئیڈیل کیا تھا۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ کے بیان کے مطابق ان کی بیویوں اور بچوں کے فاقے ان کے سکون قلب اور فراغ خاطر کو قطعاً متاثر نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی باتوں کی حقیقت ان کے نزدیک گزرتی ہوئی ہوا سے زیادہ نہ تھی جو ایک کان سے آتی اور دوسرے کان سے نکل جاتی تھی (ایں سخن بادے بود کہ دریں گوش آمدے وبداں گوش رفتے)[۳۶] انھیں کی زبانی اس کی کسی قدر تفصیل اور سنئے۔

وقتے نیز حرم ایشاں بخدمت شیخ آمد وگفت خواجہ امروز فلاں پسراز	ایک بار ان کی اہلیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ خواجہ آج فلاں

سبب گرسنگی در معرض ہلاکت شدہ است۔ شیخ شیوخ العالم سراز مشغولی برآوردند و فرمودند کہ مسعود بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق درآید واز جہاں سفرے کند، رستے دریای او بندی و بروں بیفگنی و بیائی ۳۷ؐ	بچہ بھوک کے باعث مرنے کے قریب ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے اپنی مشغولی سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ بندہ مسعود کیا کرے؟ اگر تقدیر کا لکھا پورا ہوا اور وہ اس دنیا سے رخت سفر باندھ لے تو ایک رسی اس کے پاؤں میں باندھ دینا، اسے باہر پھینک دینا اور آجانا!

اسی سے ملتی جلتی ہوئی بات 'خیر المجالس' میں 'منہاج العابدین' کے حوالے سے کہی گئی ہے: "سالک جب راہ حق میں قدم رکھتا ہے تو اگر شیطان یہ وسوسہ اس کے دل میں ڈالے کہ تم صاحب عیال ہو اگر توکل کرو گے تو تمہارے اہل و عیال کا کیا ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میرے بچوں کا شمار یا تو اولیاء میں ہے یا اشقیاء میں۔ اگر وہ اشقیاء میں داخل ہیں تو مجھے ان کا کوئی غم نہیں اور اگر وہ اولیاء ہیں تو خود ہی رحمت خداوندی کے سایہ میں ہیں۔"[۳۸]

دنیا کے اس مخصوص تصور اور اس کے اندر صوفیاء کرام کے کردار کے اس احساس و ادراک کے ساتھ توکل کے صوفی تصور کو بھی ذہن میں رکھئے۔[۳۸ الف] توکل کا معیار مطلوب یہ ہے کہ تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوپر اس طرح چھوڑ دیا جائے جیسے مردہ غسّال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔[۳۹] یہ توکل کا وہ مرحلہ ہے جہاں اسباب اور تدبیر کو یکسر ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس مقام کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

فاعلم ان المقام الثالث ینفی التدبیر راساً مادامت الحالۃ باقیۃ[۴۰]	جان لو کہ یہ تیسرا مقام تدبیر کی یکسر نفی کرتا ہے جب تک یہ حالت باقی رہے۔

ایک دوسری جگہ پر اسی مقام کے بارے میں فرماتے ہیں:

وھذا المقام فی التوکل یثمر ترک الدعاء والسوال منہ ثقۃ بکرمہ[۴۱]	توکل کا یہ مقام اس بات کی اقتضا کرتا ہے کہ خدا کے کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے دعا اور سوال ترک کرے

اسی مقام کی وضاحت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

ازخدای خدای رانیبز نخواہد[۲۱] — خدا سے خود خدا کو بھی نہ چاہے۔

رزق کو تین درجات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا درجہ رزق مضمون کا ہے جس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور جو تمام مخلوقات کو بہر حال پہونچ کر رہے گا[۲۲] اور جب صورتحال یہ ہو تو رزق کے پیچھے مارے مارے پھرنا کہاں کی سمجھداری ہو سکتی ہے؟ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

وھو فی مقامات التوکل وھو ان یشتغل باللہ تعالیٰ ولا یہتم برزقہ فان الرزق یاتیہ لا محالۃ[۲۳]

یہ توکل کا مقام ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو جائے اور رزق کی فکر نہ کرے۔ رزق تو بہر صورت اسے پہونچ ہی کر رہے گا۔

پھر آگے بعض علماء کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

وھو ان العبد ان ھرب من رزقہ لطلبہ کما لو ھرب فی الموت لادرکہ وانّہ لو سال اللہ تعالیٰ الّا یرزقہ لما استجاب وکان عاصیًا ویقال لہ: یاجاھل کیف اخلقک ولا رزقک[۲۴]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بندہ اپنے رزق سے بھاگ بھی جائے وہ خود اس کی جستجو کرے گا بالکل ایسے ہی جیسے کوئی موت سے بھاگے تو بھی وہ اسے جا لے گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ اسے رزق نہ دیا جائے تو اس کی یہ درخواست قبول نہ ہوگی اور وہ گناہگار ہوگا۔ اس سے یہ کہا جائے گا کہ اے جاہل ایسا کیوں کر ممکن ہے کہ میں تمہیں پیدا تو کروں اور رزق نہ دوں۔

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ علماء تصوف مخصوص آداب کی رعایت کے ساتھ کسب معاش کو توکل کے منافی نہیں سمجھتے لیکن یہ توکل کا کمترین درجہ ہے اور یہ ان کمزور ہمت والوں کے لیے ہے جو عزیمت کے کڑے امتحان میں پورا اترنے کا بوتہ نہیں رکھتے جہاں تک صاحب ہمت اور اولوالعزم سالک کا تعلق ہے تو اس کے لیے یہی مناسب ہے

کہ وہ کسب کے گورکھ دھندے سے دور رہے اور ذکر و فکر میں مشغولیت اور انہماک کو بیٹ کی فکر سے آلودہ نہ کرے۔ شیخ برہان الدین غریب فرماتے ہیں:

متوکل را ہیچ چیز ازیں بہتر نیست کہ اگر	متوکل کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ اگر
از غیب برسد بخورد والاّ صبر کند کہ درویش	غیب سے کچھ آجائے تو کھالے ورنہ صبر کرے۔
متوکل را کسب شوم باشد[۵۵]	متوکل کے لیے کسب شوم ہے۔

کسب کے سلسلہ میں صوفیاء کرام کے موقف کی وضاحت ابونصر سراج طوسی اس طرح کرتے ہیں۔

التوکل حال الرسول والکسب	توکل رسول کا حال ہے اور کسب رسول کی
سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	سنت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کسب کی سنت آپ
وانما استنّ لھم الکسب لعلمہ	نے اس لیے قائم فرمائی کیوں کہ آپ کو
بضعفھم حتی اذا سقطوا عن	لوگوں کی کمزوری کا علم تھا تاکہ اگر لوگ توکل
درجۃ التوکل التی ھی حالہ	پر قائم نہ رہ سکیں جو کہ آپ کا حال ہے تو
لا یسقطوا عن درجۃ طلب	کم از کم طلب معاش کے درجہ سے
المعاش التی ھی سنۃ ولولا	نیچے نہ گریں جو کہ آپ کی سنت ہے۔ اگر
ذالک لھلکوا[۵۶]	ایسا نہ ہوتا تو لوگ تباہ ہو جاتے۔

صوفیاء کرام جو قال کے بجائے حال کے شیدائی ہیں اس روش سے روگردانی اور انحراف کیوں کر کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسب معاش کی مصروفیات میں اپنے آپ کو مشغول نہیں کرتے امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"دین دار لوگوں کے لیے رزق کا اہتمام برا ہے اور علماء کے لیے تو اور بھی برا ہے کیوں کہ علماء کے لیے قناعت شرط ہے۔ قانع عالم کا رزق تو خود ہی اس کے پاس آتا ہے اور بہت سے ان لوگوں کا بھی جو اس کے ساتھ ہوں۔ البتہ اگر عالم یہ چاہے کہ وہ دوسروں کے ہاتھ سے نہ لے اور اپنی کمائی ہی کھائے تو یہ صورت اس عالم کے لیے مناسب ہے جو ظاہر علم پر عمل کرتا ہے اور جسے سیر باطن حاصل نہیں ہے کیوں کہ کسب معاش سیر باطن میں مانع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سلوک میں مشغول رکھے اور ان لوگوں سے کچھ لیتا

رہے جو اسے دے کر خدا سے تقرب چاہتے ہوں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو سکے گا اور دینے والے کو حصول اجر میں معاونت کرے گا۔[۴۷]

چنانچہ توکل کی اعلیٰ منزل یہ ہے کہ سالک بادیہ میں داخل ہو تو زادِ راہ اپنے ساتھ نہ لے جائے اس لیے کہ یہ خدا کی رزق رسانی پر یقین کے خلاف ہے[۴۸] اس حالت میں اگر بھوک کے باعث موت واقع ہو جائے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے اور ایسی موت قابلِ رشک ہے[۴۹] اور اس طرح مرنے والے کو شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔[۵۰]

یہ یقین کہ رزق کی جستجو میں اپنے وقت اور صلاحیت کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اوپر اعتماد اور اس کی رزق رسانی پر بھروسہ کے خلاف ہے فتوح کی نظریاتی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ فتوح نہ صرف یہ کہ صوفیہ کی قوت لایموت کی طرف سے یکسوئی کا باعث ہے اور اس طرح ان کے لیے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ پوری طمانیت قلب اور سکون خاطر کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف رہ سکیں بلکہ اس کے ذریعہ عوام الناس کو صوفیہ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اس طرح صوفیاء کرام عامۃ المسلمین کے لیے حصول ثواب و سعادت کا وسیلہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی رزق رسانی کا ایک مظہر ہے۔ جس طرح وہ ماں کے پیٹ میں بچہ کو اس کی خوراک پہونچاتا ہے اور جب وہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں کے دل میں اس کے لیے محبت و شفقت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے اسی طرح جب وہ بڑا ہو جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کی عبادت اسے رزق کے اہتمام سے باز رکھتی ہے تو وہ وہاں رہنے بسنے والوں کے دلوں میں اس کے لیے شفقت و محبت پیدا کر دیتا ہے چنانچہ اس کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے وہ بے قرار ہو جاتے ہیں بچپن میں اسے صرف ماں کی شفقت حاصل تھی اور اب ہزاروں لوگوں کی شفقتیں اور مہربانیاں اسے حاصل ہو جاتی ہیں اور اس طرح اس کے لیے ہر مرحلہ پر ضروری وسائل کا انتظام از خود ہوتا رہتا ہے اور اسے اس سلسلہ میں فکرمندی کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔[۵۱]

قال ابو یعقوب السوسی المتوکلون	ابو یعقوب سوسیؒ کہتے ہیں کہ متوکلین کا رزق
تجری ارزاقھم علی ایدی العباد	ان کی مشقت کے بغیر لوگوں کے ہاتھوں
بلا تعب منھم وغیرھم	جاری رہتا ہے جب کہ لوگ اسی میں
مشغولون مکدودون وقال	مصروف رہتے ہیں اور اس کے لیے

بعضهم العبید کلهم فی رزق الله تعالیٰ لکن یا کل بعضهم بذل السوال وبعضهم بتعب وانتظار کالتجار وبعضهم بامتحان کالصناع وبعضهم بعز کالصوفیة یشهدون العزیز فیاخذون رزقهم من یده ولا یرون الواسطة[۱۵۲]

پریشانی اٹھاتے ہیں۔ بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ہی بندوں کو رزق دیتا ہے مگر بعض ذلت کے ساتھ کھاتے ہیں مثلاً بھیک مانگ کر بعض مشقت اور انتظار کی زحمت اٹھاتے ہیں جیسے تاجر اور بعض کو جان کھپانا پڑتا ہے جیسے دست کار اور بعض عزت سے کھاتے ہیں جیسے صوفیہ، وہ عزیز کو دیکھتے ہیں اور اپنا رزق براہ راست اس کے ہاتھ سے لیتے ہیں اور بیچ میں کسی کو واسطہ نہیں مانتے۔

سید محمد حسینی گیسو دراز نے کسب وتوکل کے مسئلہ میں ایک بالکل نئی جہت کا اضافہ کیا۔ وہ صوفیاء کرام کے جانے مانے نقطۂ نظر سے بھی آگے بڑھ کر فرماتے ہیں:

اما من ہمچنیں گویم توکل او را مستقیم است کہ عقیدہ کند کہ خداوند سبحانہ نہ طعامے خواہد داد کہ بخورم و نہ جامہ خواہد داد کہ بپوشم و من مباشر اسباب تحصیل او نخواہم شد۔ گرسنگی و برہنگی خواہم مرد۔ اگر بریں قرار کند نشید توکل او درست باشد[۱۵۲ الف]

لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ توکل صرف اس کا درست ہے جو یہ یقین کرلے کہ خداوند سبحانہ وتعالیٰ نہ تو کھانا دے گا جسے میں کھاؤں اور نہ کپڑا دے گا جسے میں پہنوں اور میں اس کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار نہیں کروں گا اور بھوک اور برہنگی میں مرجاؤں گا۔ اگر یہ طے کرکے بیٹھ جائے تو اس کا توکل صحیح ہے!

چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ صوفیاء کرام ایک طرف تو دنیا اور ابناء دنیا کی مذمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن دوسری طرف کم از کم نظری طور پر انھیں ابناء دنیا کی یہ ذمہ داری خیال کرتے ہیں کہ ان کی مشغولی حق کے لیے اسباب و وسائل فراہم کریں اور ان کی قوت لایموت کی ذمہ داری پوری کریں۔ یہ ایک بہت بڑا تضاد ہے جسے غالبًا وہ حضرات

محسوس نہیں فرماتے اور جس کی توجیہہ مشکل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تصوف کی پوری عمارت ان لوگوں کی کاوشوں پر کھڑی ہے جن پر شدید ترین نکتہ چینی صوفیہ نے ہمیشہ ہی اپنا فریضہ سمجھا ہے اور جن سے دوری و قطع تعلق کا درس ان کی تعلیمات کا ایک اہم جزو ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ تصوف کا معیار مطلوب اللہ تعالی کی رزق رسانی پر ایسا اعتماد ہے جو لازمی طور پر کسب معاش کے لیے وسائل اور پیشوں کو اختیار کرنے کی نفی کرتا ہے۔ اس صورت میں یہ بات بالکل فطری ہے کہ کسب معاش کے تعلق سے صوفیاء کرام کا طرز عمل بنیادی طور پر ایک منفی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا ہے۔ جن تصورات اور نظریات کے زیر اثر تصوف کی نشو و نما ہوئی ان کے دیکھتے کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ممتاز اور سربرآوردہ صوفیاء کرام کی سوانح حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان میں سے صرف چند شخصیات ایسی نظر آتی ہیں جنھوں نے اپنی روزی روٹی کے لیے کوئی پیشہ اختیار کیا ہو۔ اس قسم کی تعمیمات کہ صوفیا عموماً کوئی نہ کوئی پیشہ کسب معاش کے لیے اختیار کرتے تھے حقیقت سے میل نہیں کھاتیں اور ثابت شدہ تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کی حیثیت خوش عقیدگی سے زیادہ کچھ نہیں جو چند مثالیں اس سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں ان کی حیثیت صوفیہ کے سواد اعظم کے طرز عمل کے بالمقابل مستثنیات سے زیادہ نہیں جیسا کہ آیندہ صفحات میں مشائخ چشت اور کسب معاش کے تعلق سے جو جائزہ لیا جا رہا ہے اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی۔

برصغیر میں چشتی سلسلہ کے بانی شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت کم مستند معلومات دستیاب ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے بہت سے گوشے ابھی تک ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے عظیم پیشرو کی سوانح حیات کو اپنے مریدین اور متوسلین کی تعلیم و ہدایت کے لیے اپنی مجلسوں میں بیان فرماتے لیکن اس صورت حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہی ہے کہ 'فوائد الفواد' اور 'خیر المجالس' ان کے ذکر خیر سے تقریباً خالی ہیں اور جو چند حوالے ملتے بھی ہیں ان سے ان کی زندگی کے معمولات اور معاملات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ بعض مآخذ سے ہمیں اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے بیٹوں کے پاس کچھ زمین تھی اور ابن خورد کے بقول اس سلسلہ میں انھوں نے ایک بار دہلی کا سفر بھی

فرمایا تھا۔[۱۵۳] لیکن صوفی اور تاریخی دونوں ہی طرح کے آخذ اس باب میں بالکل خاموش ہیں کہ حضرت شیخ اپنی قوت لایموت کے لیے کیا ذریعہ اختیار فرماتے تھے۔ دستیاب شہادتوں کی روشنی میں یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی وہ قیام اجمیر کے دوران کبھی کھیتی باڑی میں مصروف رہے ہوں یا اپنے بیٹوں کی کمائی پر انحصار کرتے رہے ہوں۔ صوفی روایات کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ اپنے ضروری اخراجات کے لیے فتوح کے غیر یقینی ذریعہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اگر انھوں نے کوئی اور کام کیا ہوتا تو ان کے وسیع حلقہ متوسلین سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ ضرور کرتے اور آنے والی نسلوں کے لیے اسے ضرور محفوظ کر دیتے۔ ان کے لیے تو آپ کا ہر عمل مشعل راہ اور چراغِ ہدایت کی حیثیت رکھتا تھا۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ وہ اپنی معاش کے لیے مکمل طور پر فتوح پر انحصار کرتے تھے۔ ابتداء میں جب فتوح کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا وہ اپنے ایک پڑوسی بقال سے کبھی کبھار قرض لے لیا کرتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے یہ سلسلہ بالکل موقوف کر دیا اور سخت ترین حالات میں بھی قرض لینا گوارا نہ کیا۔ اس کے بعد صوفی روایات کے مطابق انھیں ایک روٹی قدرت کی طرف سے مہیا کر دی جاتی تھی جو ان کی ضرورت کے لیے کافی ہوتی تھی۔ یہ روٹی انھیں اپنے مصلےّ کے نیچے مل جاتی تھی۔ ان کی اہلیہ اس راز کی حفاظت نہ کر سکیں اور پڑوسی بقال کی کھوجی بیوی سے اسے بیان کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا اور ان کا انحصار مکمل طور پر فتوح پر رہ گیا۔[۱۵۴]

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کسی قدر زیادہ معلومات دستیاب ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی مجالس ان کے ذکر سے معمور تھیں اور یہ تفصیلات ان بزرگوں کے ملفوظات میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہ بات ہمیں پوری وضاحت اور تفصیل سے معلوم ہے کہ وہ کس طرح فتوح پر زندگی گذارتے تھے۔ انھوں نے اپنے مستقل قیام کے لیے ایک دور افتادہ جگہ اجودھن کا انتخاب کیا تھا۔ اجودھن دارالسلطنت سے دور تھا اور کوئی اہم مقام نہ تھا۔ یہاں کے باشندے اجڈ اور گنوار تھے۔[۱۵۵] دراصل انھیں اسباب کے باعث حضرت شیخؒ نے اس جگہ کا انتخاب

کیا تھا تاکہ وہ ایک گوشہ میں فراغ خاطر کے ساتھ اپنی عبادات میں مصروف رہ سکیں اور عقیدت مندوں کی بھیڑ ان کے معمولات پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ دہلی اور ہانسی کو انھوں نے اسی لیے خیرباد کہا تھا کہ وہاں عقیدت مندوں کا اژدہام ان کے معمولات میں حارج ہوتا تھا[۵۶] نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر فتوح کی کمیابی کے باعث جماعت خانہ کے متوسلین کو کئی کئی دن تک جنگلی پھلوں مثلاً ڈھیلا اور پیلو پر گزارہ کرنا پڑتا تھا[۵۷] سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کے بیانات سے واضح ہے کہ عموماً نمک بھی میسر نہیں ہوتا تھا اور یہ کڑوے کسیلے پھل یوں ہی کھانے پڑتے تھے[۵۸] تنگ دستی اور فاقہ کی یہ سختی صرف مریدین و متوسلین ہی کو نہیں جھیلنی پڑتی تھی بلکہ اس میں حضرت شیخؒ کے اہل خانہ بھی برابر کے شریک تھے جیسا کہ اس سے پہلے ہم ایک دوسرے سیاق میں یہ بات دیکھ چکے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہونچ جاتی تھی کہ بھوک کی شدت سے ان کے بچے ہلاکت کے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن ان شدائد کا ان کی یکسوئی اور فراغ خاطر پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اور یہ باتیں گزرتی ہوئی ہوا کی طرح تھیں جو ایک کان سے آتیں اور دوسرے کان سے نکل جاتی تھیں[۵۹] مآخذ میں کسی ایسی خواہش یا کوشش کا سراغ نہیں ملتا جو اس صورت حال کو بدلنے کے لیے کی گئی ہو۔

شیخ فریدالدین کے بڑے صاحبزادے خواجہ نصیرالدین زراعت کرتے تھے[۶۰] لیکن اس کے شواہد دستیاب نہیں ہیں کہ وہ یہ کام حضرت شیخ کے ایماء پر کرتے رہے ہوں اور اس میں ان کی مرضی بھی شامل رہی ہو۔ خواجہ نصیرالدین کے بارے میں 'سیرالاولیاء' میں بہت مختصر اور سرسری تذکرہ ہے[۶۱] اور اس سے یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ خواجہ نصیرالدین خود بھی عملاً صوفی تھے یا نہیں۔ زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ یہ ان کا اپنا فیصلہ رہا ہو بالکل اسی طرح جیسے ان کے چھوٹے بھائی خواجہ نظام الدین نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا تھا[۶۲] مآخذ سے اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ شیخ فریدالدینؒ اپنی معاش کے لیے اپنی اولاد پر انحصار کرتے رہے ہوں۔ اتنا تو بہر طور ثابت ہے کہ انھوں نے کسب معاش کے لیے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا اگرچہ وہ متاہلانہ زندگی گزارتے تھے اور ان کے اوپر ایک وسیع خاندان کی ذمہ داریاں تھیں[۶۳] ان کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز صرف تصوف تھا اور ان کی ساری توانائیاں اسی کی ترویج و اشاعت اور مریدین کی تعلیم و تہذیب کے لیے وقف تھیں۔

سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے

قیام دہلی کے ابتدائی زمانہ میں جب تک فتوح کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا انھیں بڑی عسرت کا سامنا رہا۔ صوفی مآخذ میں اس طرح کے بے شمار واقعات مذکور ہیں جن سے اس دور میں ان کی شدید عسرت اور تنگ دستی کا اندازہ ہوتا ہے[۹۴] لیکن بعد میں حالات یکسر بدل گئے اور بہت بڑی مقدار میں فتوح آنے لگا۔[۹۵] ان کے لنگر سے بہت بڑی تعداد میں لوگ فیض یاب ہوتے تھے۔ جماعت خانہ اور متعلقہ اداروں کے اخراجات غیر معمولی تھے[۹۶] اور یہ سب فتوح سے پورے ہوتے تھے اور پھر بھی بہت کچھ بچ رہتا تھا چنانچہ ان کے یہاں دستور تھا کہ جمعہ کو سب کچھ خیرات کر دیا جاتا تھا اور کچھ باقی نہیں رکھا جاتا تھا۔[۹۷] اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ وسائل کی اس کثرت اور فراوانی کے باوجود شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی اپنی زندگی بہت سادہ تھی اور ان کی اپنی ضروریات بےحد قلیل تھیں۔ بہر حال اہم بات یہ ہے کہ جماعت خانہ کے وسیع اخراجات اور ان کی اپنی معمولی ضروریات دونوں کی تکمیل فتوح سے حاصل ہونے والے وسائل سے ہوتی تھی۔

جب شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کا زمانہ آیا تو حالات پہلے کے مقابلہ میں بہت بدل چکے تھے۔ دہلی کے چشتی مشائخ کے تعلق سے دربار کے طرز عمل میں اب وہ گرم جوشی باقی نہ رہی تھی اور باہمی روابط میں کافی سرد مہری آچکی تھی۔ مختلف اسباب کے باعث جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں چشتی سلسلہ کی دہلی شاخ کو دربار کا تعاون حاصل نہیں رہا تھا۔ دربار کے طرز عمل میں تبدیلی کا اثر امراء پر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا عوامی رجوع میں واضح کمی واقع ہوئی اور اس کا اثر ناگزیر طور پر فتوح کی یافت پر پڑا۔ بہت سے لنگر ویران ہو گئے اور جماعت خانہ کی وہ رونق باقی نہ رہی۔[۹۸] اس پوری صورت حال کی بہترین تصویر 'خیر المجالس' کے صفحات میں محفوظ ہے۔ اس کے باوجود شیخ نصیر الدینؒ نے اپنے اسلاف کی قائم کردہ روایات سے سرمو انحراف نہ کیا اور انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ تلخی و ترشی سب کچھ گوارا کی لیکن شدید عسرت کے باوجود کسب معاش کا خیال بھی کبھی ذہن میں نہیں لائے۔ جو کچھ فتوح میں آگیا اسی پر قناعت کی۔

شیخ حمید الدین صوفی سوالیؒ ایک اہم چشتی بزرگ تھے اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اہم ترین مریدین اور خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ صوفیہ کے حلقوں میں انھیں سلطان التارکین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ترک و تجرید میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ناگور کے پاس

سوال نامی گاؤں میں وہ خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس تھوڑی سی زمین تھی جس پر وہ خود اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے تھے اور یہی ان کی معاش کا ذریعہ تھا[۳۵] ان کے بارے میں جو تفصیلات تصوف کی متداول کتابوں میں ملتی ہیں ان سے یہی تاثر متبادر ہوتا ہے کہ وہ فتوح قبول نہیں فرماتے تھے لیکن یہ تاثر صحیح نہیں ہے "سرور الصدور" سے واضح طور پر اس بات کے اشارے ملتے ہیں کہ وہ بھی فتوح قبول فرماتے تھے اگرچہ وہ اسے پسند نہیں کرتے تھے[۳۶] ان کے پوتے شیخ فرید الدین ناگوری فرماتے ہیں:

بابا بزرگ قدس اللہ روحہ العزیز گفتے	بابا بزرگ قدس اللہ روحہ (شیخ حمید الدین)
کہ اگر من بدانستے کہ خاطر آرندہ از قبول	فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ قبول نہ
ناکردن آزردہ نخواہد شد ہرگز قبول نکردے	کرنے سے لانے والے کو تکلیف نہ ہوگی
چوں خاطر آرندہ آزاری یابد پس باید کہ	تو ہرگز قبول نہ کرتا۔ چوں کہ لانے والے کو
کسے چیزے بے خواست بیارد قبول	تکلیف ہوتی ہے اس لیے مناسب یہی ہے
باید کرد[۳۷]	کہ اگر کوئی بغیر مانگے کوئی چیز لائے تو اسے
	قبول کر لیا جائے۔

بہرحال جاننے ہچانے ابتدائی چشتی مشائخ میں یہ تنہا مثال ہے جب کسی صوفی بزرگ نے اپنی معاش کے لیے کھیتی کا ذریعہ اختیار کیا ہو۔ شیخ نصیر الدینؒ نے پیشہ کے طور پر کھیتی کی تحسین فرمائی ہے:

نیکو لقمہ ایست لقمہ زراعت بسیار	زراعت کا لقمہ اچھا لقمہ ہے۔ بہت سے
فرارعان صاحب حال بودہ اند[۳۸]	کھیتی کرنے والے صاحب حال ہوئے ہیں۔

لیکن شیخ نظام الدینؒ بظاہر اس خیال سے متفق نہیں معلوم ہوتے۔ وہ اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں ہل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جس گھر میں بھی جاتا ہے اپنے ساتھ ذلت لے جاتا ہے۔ ما دخل بیتاً الا دخل ذلا[۳۹]

شغل (سرکاری نوکری) کو مشائخ چشت نے کبھی بھی مستحسن نہیں سمجھا اور مخصوص مریدین اور خلفاء کو اس کی اجازت نہ تھی اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سخت رویہ اپنایا جاتا تھا[۴۰]۔ عام مریدین کے لیے ممانعت تو نہ تھی[۴۱] البتہ بہتر یہی سمجھا جاتا تھا کہ سرکاری نوکری روحانیت کو مضمحل کر دیتی ہے اور پھر آدمی اعلیٰ روحانی امور کو انجام دینے کے قابل

نہیں رہ جاتا۔ ان کا کہنا تھا کہ خدا اور شیطان دونوں کی ایک ساتھ اطاعت ممکن نہیں ہے"۔[۷۷] اس سلسلہ میں اگر پوری صورت حال کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح طور پر محسوس ہوگی کہ مشائخ چشت کا بنیادی رجحان سرکاری ملازمت کے خلاف تھا۔ چنانچہ جہاں ایک طرف ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے فرائض منصبی کے بارے میں پوری احتیاط رکھے تو سرکاری نوکری اس کے روحانی ارتقا میں مزاحم نہ ہوگی اور ایسی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ بعض حضرات سرکاری ملازمت کے باوجود اعلیٰ روحانی مدارج پر فائز تھے۔[۷۸] لیکن دوسری طرف یہ بات بڑی شد و مد سے کہی گئی ہے کہ سرکاری نوکری کا نتیجہ صرف تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ایسا نادر ہے کہ حکومت سے وابستگی کے باوجود انجام بخیر ہوا ہو۔[۷۹]

اگر مشائخ چشت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ سے پہلے وابستگان حکومت کو شاذ و نادر ہی حلقہ مریدین میں داخل کیا جاتا تھا۔ شیخ نظام الدینؒ کے زمانہ میں یہ صورت حال یکسر بدل گئی اور اس سلسلہ میں بڑی دوررس اہمیت کی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ ان کے مریدین کے وسیع حلقہ میں بہت سے سرکاری ملازم، امرا اور شاہی خاندان کے افراد شامل تھے۔[۸۰] اسی زمرہ میں شہرہ آفاق شاعر امیر خسرو بھی شامل تھے جو حضرت شیخ کے بڑے معتمد اور چہیتے مرید تھے اور جنھوں نے متعدد بادشاہوں اور سلطنتوں کی خدمت کی۔

سلطان المشائخؒ کے خلفاء طبقہ علماء سے تعلق رکھتے تھے۔[۸۱] ان کے اہم مریدین کی بھی غالب اکثریت علماء اور دانش مندوں کے طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔[۸۲] دستیاب شواہد کی روشنی میں جو صورت ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام خلفاء اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے اکثر مریدین نے تصوف کو ایک ہمہ وقتی کام کی حیثیت سے اختیار کیا تھا۔ ان کا نہ تو کوئی مستقل ذریعہ آمدنی تھا اور نہ ہی کسب معاش کے لیے وہ کوئی کام کرتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی صورت حال میں ان کی معاشں کا انحصار فتوح پر ہی تھا۔ حضرت شیخ کے انتقال کے بعد ان کے کچھ مریدین نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔[۸۳] لیکن ان کے خلفاء نے اسے کبھی پسند نہ کیا اور اسے شیخ بزرگ کی روایات سے انحراف ہی تصور کیا۔[۸۴] ایسے حضرات کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا ہے جنھوں نے کسب معاش کے

لیے کوئی پیشہ اختیار کیا ہو۔ مولانا فخر الدین مروزی قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے وہ گزر اوقات کرتے تھے۔ بڑھاپے میں جب وہ معذور ہو گئے تو قاضی حمید الدین ملک التجار کی سفارش پر سلطان علاء الدین نے ان کا روزینہ مقرر کر دیا تھا۔[۱۸۴] ان کے علاوہ مولانا یمنی خطّاط، مولانا رکن الدین جیغمر اور شیخ عزیز الدین صوفی بھی فن خطاطی میں بڑا ملکہ رکھتے تھے۔[۱۸۵] یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے بھی خطاطی کو بطور پیشہ اختیار کیا ہوگا۔ لیکن مآخذ اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ صرف ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ جہاں کسی نے بچوں کی تعلیم کو ذریعہ معاش بنایا ہو۔[۱۸۶] ساتھ ہی مولانا فصیح الدین کی مثال بھی موجود ہے جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کے بعد اسے ترک کر دیا۔[۱۸۷] اسی طرح شیخ فرید الدینؒ کے مشہور خلیفہ مولانا جمال الدین پہلے ہانسی میں خطیب تھے۔ ارادت کے بعد انھوں نے اسے ترک کر دیا۔[۱۸۸] شیخ فرید الدینؒ کے بھائی اور خلیفہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے کسب معاش کے لیے کچھ دنوں ایک ترک امیر کی امامت کی۔[۱۸۹] یہ بات غور طلب ہے کہ ان میں سے بیشتر پیشے وہ ہیں جن کی کمائی کو شیخ برہان الدین غریبؒ متوکلین کے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

آں کس کہ توکل باشد اورا ازیں ہشت وجوہ بناید خوردیکے امامت دوم تاذین سوم ختم چہارم درس پنجم تعلیم ششم اجر کتابت ہفتم ادرار ہشتم دق۔ متوکل را ہیچ چیز ازیں بہتر نیست کہ اگر از غیب برسد بخورد و الا صبر کند کہ درویش متوکل را کسب شوم باشد[۱۹۰ الف]	توکل کرنے والے کو چاہیے کہ ان آٹھ چیزوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو استعمال نہ کرے۔ اول امامت، دوم سوم ختم (ختم قرآن کی اجرت) چہارم درس پنجم تعلیم، ششم اجر کتابت، ہفتم ادرار ہشتم بھیک متوکل کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ اگر غیب سے کچھ آجائے تو کھالے ورنہ صبر کرے کیونکہ متوکل درویش کے لیے کسب شوم ہے۔

چشتی لٹریچر میں تجارت کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور اسے کسب معاش کا ایک اچھا ذریعہ بتایا گیا ہے۔[۱۹۱] لیکن جانے پہچانے چشتیوں میں سے کسی ایک نے تصوف

لذت آشنائی کے بعد یہ پیشہ اختیار نہیں کیا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ جو حضرات پہلے سے اس پیشہ سے وابستہ تھے انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ 'سیرالاولیاء' کے مولف میر خورد کے جدامجد سید محمد کرمانی ایک کامیاب تاجر تھے لیکن شیخ فریدالدینؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے تجارت کو ترک کر دیا اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی اور اجودہن میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ رہنے لگے۔[۹۲] شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کا آبائی پیشہ پشمینہ کی تجارت تھی لیکن انھوں نے اسے اختیار نہیں کیا۔[۹۳] شمس الدین بزاز کپڑے کے ایک خوش حال تاجر تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے ارادت کے بعد انھوں نے یہ کاروبار یکسر ختم کر دیا اور مکمل طور پر فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی۔[۹۴]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدین میں ایک بزرگ اپنے غلام کی کمائی پر گزر اوقات کرتے تھے۔[۹۵] ایک اور مرید کے بارے میں روایت ہے کہ وہ طبابت کا پیشہ کرتے تھے۔[۹۶] شیخ نصیرالدینؒ کے مریدین میں بھی ایک صاحب طبیب تھے[۹۷] اور غالباً یہی ان کا ذریعہ معاش بھی ہوگا۔ تلاش بسیار کے باوجود دوسرے حضرات کے بارے میں یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کسب معاش کے لیے کیا کرتے تھے۔ گمان غالب یہی ہے کہ یہ تمام حضرات اپنے مشائخ کی پیروی میں اپنی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے فتوح پر انحصار کرتے رہے ہوں گے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ معاشرہ کے تئیں مشائخ چشت کا رویہ بنیادی طور پر منفی تھا اور اسی باعث وہ کوئی مثبت اور فعّال کردار نہ اپنا سکے۔ جیسا کہ تفصیل سے اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے اس کا بنیادی سبب دنیا سے متعلق ان کا مخصوص نقطۂ نظر اور اس میں انسان کے مقام اور کردار سے متعلق ان کے نظریات تھے۔ عہد وسطیٰ کے مسلم معاشرے پر ان کے وسیع اور ہمہ گیر اثرات اور ان کے قبول عام کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ ایک بڑی کمی تھی۔ اگر انھوں نے معاشرہ کے تئیں ایک فعّال اور مثبت طرز عمل اپنایا ہوتا تو امید کی جا سکتی تھی کہ اس کے بہت دور رس اور صحت مندانہ اثرات مسلم معاشرہ پر پڑے ہوتے اور ممکن تھا کہ وہ ان بہت سے منفی رجحانات سے بچ گیا ہوتا جو بالآخر اس کے اندر سرایت کر گئے اور جنھوں نے اس کی فکری اور علمی توانائیوں کو بری طرح مجروح و متاثر کیا۔ ہندوستان کی

فکری اور تہذیبی آب وہوا میں ایک طرح کی انفعالیت پہلے ہی سے موجود تھی۔ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے اثرات کا مقابلہ کیا جاتا اور معاشرہ کی اس سے حفاظت کی جاتی لیکن اس کے برعکس یہ طرز فکر وعمل اس رجحان کو تقویت بخشنے کا باعث ہوا۔

حواشی

سلہ اس طرح کی ایک کامیاب کوشش کے لیے ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر عبیداللہ فراہی، تصوف۔ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ علی گڑھ ۱۹۸۶ء

سلہ(الف)، اس نوعیت کی بعض تازہ کوششوں کے لیے ملاحظہ کیجیے سید وحید اشرف، تصوف اور ترک دنیا، معارف، جولائی ۱۹۸۶ء، شمارہ ۱، جلد ۱۳۰، ص ۳۹—۵۶ ؛

Mohammad Mahmood Ali Qutbi, The Early Sufi and Earning of Livelihood, Studies in Islam indian institute of Islamic Studies, Delhi, Jan-April, 1981, Nos 1-2, Vol. XVIII, PP. 1—8

سلہ۲ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، تصحیح محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶، ص ص ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۱۷—۱۲۱، ۱۲۲—۱۴۰، ۱۴۴، ۲۲۳، ۲۲۴، ۳۱۸—۳۱۹، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۷۹ ؛ حمید قلندر، خیر المجالس، تصحیح خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ص ص ۳۵، ۶۱، ۸۰، ۸۶، ۹۰، ۱۵۵، ۲۰۰، ۲۲۸، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۵۲، میر خورد، سیر الاولیاء، لاہور ۱۹۷۸، ص ص ۲۷۱، ۵۵۳ - ۵۵۵ ؛ سرور الصدور، قلمی، (مولانا آزاد لائبریری) حبیب گنج، ۲۱/۱۶۸ فارسیہ تصوف، اوراق ۳ الف ب، ۱۱ الف ب، ۲۲ الف، ۲۵ ب، ۲۹ الف ب، ۲۷ الف ب، ۴۴ الف ؛ حماد بن عماد کاشانی، احسن الاقوال، قلمی، یونیورسٹی کلکشن (مولانا آزاد لائبریری) فارسیہ مذہب و تصوف، ۳۱۸، اوراق ۵۱ ب، ۵۲ الف، عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، مطبع نظامی ۱۳۰۱ھ ص ص ۸۸—۸۹ ؛ امام ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۲۰۱/۳—۲۳۰

سلہ۳ احیاء علوم الدین، ۳/ ۲۰۱ سلہ۴ خیر المجالس ص ۱۴۴، سبع سنابل، ص ۸۸—۸۹

سلہ۵ فوائد الفواد، ص ۱۴۰ ؛ سیر الاولیاء، ص ۵۵۳—۵۵۴۔ سید محمد حسینی گیسو درازؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "شبلی گوید: لو خیرنی بین الجنۃ والنار لاخترت النار لمافیہ

من خلاف النفس"۔ (شبلیؒ فرماتے ہیں اگر مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان اختیار دے دیا جائے تو میں جہنم کا انتخاب کروں گا کیوں کہ اس میں نفس کی مخالفت ہے) ملاحظہ کیجئے مکتوبات گیسو دراز، عہد آفرین برقی پریس، حیدرآباد، ۱۳۶۲ھ ص۷

۵۶ فوائد الفواد ص۱۲ ۵۷ احیاء، ۴/۲۱۸، نیز دیکھئے عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن الرسالۃ القشیریہ، مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ص۶۶-۶۷۔

۵۸ فوائد الفواد، ص۱۲، ۱۴۴، ۲۷۹؛ خیر المجالس، ص ص ۳۵، ۲۳۵؛ سرور الصدور، ورق ۴۰ الف، احسن الاقوال، ورق ۵۱ ب ۵۹ خیر المجالس، ص ۲۲۵؛ سیر الاولیاء ص ۲۷۱۔

۶۰ خیر المجالس، ص۲۲۵؛ سبع سنابل، ص۹۱؛ سرور الصدور، ورق ۱۳ الف

۶۰(الف) ابوحفص کہتے ہیں: الزھد لایکون الا فی الحلال (زہد تو صرف حلال چیزوں میں ہے) دیکھئے رسالہ قشیریہ، ص۶۷ ۶۱ سرور الصدور، ورق ۱۰ الف ب

۶۲ احیاء، ۴/۲۱۷ ۶۳ سرور الصدور، ورق ۲۱ الف ۶۴ ایضاً، ورق الف ب

۶۵ سبع سنابل، ص۹۱۔ اسی ماخذ میں شیخ فریدالدین عطار کے حوالہ سے ایک دیوانے کا ذکر ہے جو بستی میں آتا تھا تو ناک پر کپڑا رکھ لیتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو جواب دیا کہ مردار دنیا کی بدبو کی وجہ سے۔ ۶۶ فوائد الفواد، ص ص ۱۲-۱۳

۶۶ الف اس خیال کی تائید صوفی بدہنی کے واقعہ سے ہوتی ہے جو فوائد الفواد میں دوبار ذکر ہوا ہے شیخ نظام الدین اولیاء انھیں "تارک عظیم" کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور ان سے بس اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ برہنہ رہنا مناسب نہیں اس لیے کہ ستر عورت مشروع ہے۔ ملاحظہ کیجئے فوائد الفواد، ص ص ۲۱۸-۲۱۹، ۲۵۸۔ ایک اور جگہ (ص۲۲) فرماتے ہیں "فرمود کہ دنیا را جمع بنا ید کرد اما آنچہ لابدی باشد مثل جامہ کہ بداں ستر باشد رواست۔ اما زیادتی نمی شاید" نیز دیکھئے احسن الاقوال، ورق ۵۱ ب

۶۷ احیاء، ۴/۲۳۰ ۶۸ احیاء ۴/۲۳۱

۶۹ محمد محمود علی قطبی کا محولہ بالا مضمون ص ص ۱-۸" نیز دیکھئے

K. A. Nizami, Some Aspects of Religion and politics during the Thirteenth century, Delhi, Reprint, 1974, pp. 237-38

۷۰ احیاء، ۴/۲۱۷، نیز دیکھئے خیر المجالس، ص ص ۳۶-۳۷

۷۱ فوائد الفواد، ص ص ۲۱۱-۲۱۲، ۲۵۸؛ خیر المجالس، ص ص ۳۵-۳۷۔

تصوف کا معیار مطلوب یہ ہے کہ سالک کو جنت و جہنم سے کوئی تعلق نہ رہ جائے اور خداوند عالم اسے جس حال میں رکھے اسی میں خوش رہے۔ اس سے پہلے (حاشیہ ۵) میں شبلیؒ کا قول نقل کیا جا چکا ہے جس میں انھوں نے جہنم کو جنت پر ترجیح دینے کی بات کہی ہے۔ اس کے جواب میں جنیدؒ کا یہ قول ہے۔ اگر مجھے جنت اور جہنم کے درمیان انتخاب کا موقع دیا جائے تو میں کسی کا بھی انتخاب نہ کروں اور اسے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر چھوڑ دوں (مکتوبات گیسو دراز، ص۷) اسی سے ملتی جلتی بات ابو یزید سے مروی ہے: "لو ان اہل الجنۃ فی الجنۃ تنعمون واھل النار فی النار یعذبون ثم وقع لك تمیز علیھما خرجت من جملۃ التوکل" رسالہ قشیریہ، ص۹۰

۲۲ خیر المجالس، ص۲۳۴ ۲۳ نفس مصدر

۲۴ خیر المجالس، ص۱۸۱، شیخ نصیر الدینؒ نے سوال کے چار مراتب بیان کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب کوئی ضرورت پڑے تو خدا سے مانگے، دوسرا یہ کہ خدا سے صرف خدا کو مانگے، تیسرا یہ کہ اپنی ضرورت کو خدا کو تفویض کر دے اور اپنی کوئی پسند و ناپسند نہ رہ جائے۔ چوتھا یہ کہ خدا سے خدا کو بھی نہ چاہیے۔ اور یہ مقام سب سے اعلیٰ ہے۔

۲۵ خیر المجالس، ص ص ۶۱، ۲۲۸۔ حضرت رابعہؒ کو ایک بار سخت بخار آگیا۔ لوگوں کے سبب پوچھنے پر بتایا کہ "میں خلوت میں مشغول تھی کہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی۔ میرا دل اس کی طرف مائل ہو گیا۔ اس پر اللہ نے مجھے عتاب کیا" دیکھئے ص۲۰۰

۲۶ احیاء، ۲/۲۲۲ داؤد طائیؒ کی درخواست پر ابو الربیع زاہدؒ نے انھیں یہ نصیحت کی تھی "صم عن الدنیا، واجعل فطرك الآخرۃ وفرّ من الناس فرارك من الاسد"۔ نیز دیکھئے خیر المجالس ص ۲۳۶۔ شیخ نصیر الدین اغنیاء سے ترک صحبت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "فروا منھم کما تفرون من الاسد"۔ ۲۸ خیر المجالس ص۴۶ ۲۹ نفس مصدر ص۲۳۳

۳۰ فوائد، ص۱۷؛ خیر المجالس، ص۶۸ ۳۱ سرور الصدور، ورق ۲۶ الف

۳۲ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، تصحیح علی قویم، لاہور، ۱۹۷۸ء ص ص ۳۱۷ - ۳۱۸۔ فرماتے ہیں "مجتمع اند مشائخ ایں طریقت رضی اللہ عنہم بر آں کہ بہترین و فاضل ترین مجردان اند اگر دل ایشاں از آفت خالی باشد و طبع شاں از شہوات معرض" نیز دیکھئے احیاء ۳/۱۰۲؛ سیر الاولیاء ص ص ۵۷۶ - ۵۷۷۔ صاحب سیر الاولیاء، شیخ نظام الدین کا یہ قول نقل کرتے ہیں "عزیمت تجرید است و رخصت قابل"۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف - ایک تجزیاتی مطالعہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ ۱۹۸۷، ص ص ۶۰ - ۶۸، شیخ حمید الدین تجرد کی فضیلت حضرت مریم کے واقعہ سے ثابت کرتے ہیں "دراں وقت کہ مجرد بودے بے خواست او میوہ زمستاں تابستان می رسید و میوہ تابستاں بزمستان می آمد کہ دلش باخدا یکتا بود۔ چوں عیسیٰ علیہ السلام بزاد منتظر بود کہ ہمچناں خواہد رسید۔ فرمان شد و ہزی الیک بجزع النخلۃ" سرور الصدور، ورق ۸ الف

۴۳ احیاء ۳/۱۰۴ ۴۴ احیاء، ۴/۲۳۹

۴۵ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی، کتاب اللمع فی التصوف، تحقیق انوار التی نیکلسن، لیدن ۱۹۱۴، ص ۱۹۹ ۴۶ خیر المجالس، ص ۸۹؛ سیر الاولیاء، ص ص ۷۶ - ۷۷

۴۷ سیر الاولیاء، ص ۷۷، نیز ملاحظہ کیجئے احسن الاقوال، ورق ۵۰ الف ب

۴۸ خیر المجالس، ص ۵۶ ۴۸ (الف) توکل کی صوفی تشریح کے لیے دیکھئے تصوف - ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۳۷ - ۵۵ ۴۹ فوائد الفواد، ص ۹۱؛ رسالہ قشیریہ، ص ۹۰

۵۰ احیاء، ۴/۲۶۴ ۵۱ احیاء ۴/۲۶۱ ۵۲ خیر المجالس، ص ۸۱

۵۳ فوائد الفواد، ص ص ۱۷۵ - ۱۷۶ ۵۴ احیاء، ۴/۲۶۷

۵۵ نفس مصدر ۵۵ (الف) احسن الاقوال، ورق ۹۴ ب

۵۶ کتاب اللمع فی التصوف، ص ص ۱۹۵ - ۱۹۶، مخدوم جہانیان سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ مشائخؒ کے نزدیک کسب سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت ہے۔ ملاحظہ کیجئے سراج الہدایہ تحقیق قاضی سجاد حسین، دہلی، ۱۹۸۳، ص ۴۶ ۵۷ احیاء، ۴/۲۷۵

۵۸ احیاء، ۴/۲۶۸، ۲۷۱، رسالہ قشیریہ (ص ۹۰) میں ابوحمزہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں بادیہ میں کھا پی کے داخل ہوں (انی لاستحی من اللہ تعالیٰ ان ادخل البادیۃ وانا شبعان)

۵۹ احیاء، ۴/۲۷۲، ۲۷۳ ۶۰ احیاء، ۴/۲۷۶ ۶۱ احیاء، ۴/۲۷۱

۶۲ احیاء، ۴/۲۶۷، ۶۲ الف۔ سید محمد حسینی گیسو دراز، شرح رسالہ قشیریہ، گلبرگہ، ۱۳۶۱ھ ص ۲۷ ۶۳ سیر الاولیاء، ص ۶۲

۶۴ سیر الاولیاء، ص ص ۵۸ - ۵۹؛ شیخ عبداللہ محدث دہلی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مطبع محمدی ۱۸۷۰ء، ص ۲۹ - ۳۰

۶۵ خیر المجالس، ص ۱۸۸؛ سیر الاولیاء، ص ص ۷۳ - ۷۴؛ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین

اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۶، ص ۴۵، مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے:
K. A. Nizami, The Life and Times of Fariduddin Ganj-i-Shakar, Delhi, Reprint 1973, P.P. 36-38

۵۷ فوائد الفواد، ص ۱۲۵؛ سیر الاولیاء، ص ص ۷۴-۷۵؛ خیر المجالس ص ۱۵۰؛
Life and Times of Shaikh Fariduddin PP. 48-49

۵۸ سیر الاولیاء، ص ۷۶   ۵۹ خیر المجالس، ص ۸۹

۶۰ سیر الاولیاء، ص ۱۹۶   ۶۱ نفس مصدر   ۶۲ سیر الاولیاء ص ۱۹۹

۶۳ شیخ فریدالدینؒ نے کئی شادیاں کی تھیں اور آخر عمر میں ان کا خاندان کافی وسیع ہو گیا تھا۔ سیر الاولیاء (ص ۷۶) کا بیان ہے کہ "شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز را حرم بسیار بود"۔ شیخ نصیرالدینؒ (خیر المجالس، ص ۸۹) فرماتے ہیں "دو حرم بود یا سہ"

۶۴ مثال کے طور پر دیکھئے فوائد الفواد، ص ص ۸۲-۸۳، ۲۳۹-۲۴۰؛ سیر الاولیاء، ص ص ۱۲۳-۱۲۴

۶۵ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم سطور کا مضمون "مشائخ چشت اور حکومت وقت - باہمی روابط کا تجزیہ"، تحقیقات اسلامی، جولائی - اکتوبر ۱۹۸۳ء، جلد ۲، شمارہ ۳، ص ۳۲-۵۰

۶۶ جمالی کے بیان کے مطابق صرف باورچی خانہ کا روزانہ کا خرچ علاوہ جنس کے دو ہزار ٹنکہ تھا۔ دیکھئے سیر العارفین، اردو ترجمہ، ص ۱۰۱   ۶۷ سیر الاولیاء، ص ۱۴۱

۶۸ خیر المجالس ص ص ۸۷-۸۸، ۱۸۴-۱۸۵، ۲۲۰۔   ۶۹ خیر المجالس، ص ۸۸

۷۰ سیر الاولیاء، ص ص ۱۹۶-۱۹۷؛ اخبار الاخیار، ص ۳۳

۷۱ سرور الصدور، ورق ۳ ب، ۱۴ الف ب، ۲۵ الف، ۴۳ الف

۷۲ سرور الصدور، ورق ۱۴ الف ب   ۷۳ خیر المجالس، ص ۱۵۶

۷۴ فوائد الفواد، ص ۱۷۱   ۷۵ سیر الاولیاء، ص ص ۳۰۵-۳۰۶

۷۷ Some Aspects PP. 246

۷۸ خیر المجالس، ص ص ۱۳-۱۴، ۹۴-۹۵، ۲۰۶، ۲۲۳   ۷۹ فوائد الفواد، ۲۴۲-۲۴۴

۸۰ تفصیلات کے لیے دیکھئے راقم سطور کا محولہ بالا مضمون 'مشائخ چشت اور حکومت وقت'، ص ص ۲۵-۴۳

۸۱ سیر الاولیاء، ص ص ۲۲۰-۳۰۰   ۸۲ سیر الاولیاء، ص ص ۳۰۲-۳۲۶

۸۳ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے سیر الاولیاء، ص ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۳۱۶-۳۱۷، ۳۲۲-۳۲۸۔

۸۴ سیر الاولیاء، ص ۲۰۵

۸۵ خیر المجالس، ص ۸۸ ؛ سیر الاولیاء، ص ص ۳۰۸ - ۳۰۹

۸۶ سیر الاولیاء، ص ص ۲۱۲، ۳۰۸، ۳۲۷، ۴۹۰ - ۴۹۱

۸۷ خیر المجالس، ص ۱۰۷ ۸۸ سیر الاولیاء، ص ۳۰۹ ۸۹ سیر الاولیاء، ص ۱۹۱

۹۰ فوائد الفواد، ۱۴۴ ؛ سیر الاولیاء، ۸۸ ۹۰ الف احسن الاقوال، ورق ۴۹ ب

۹۱ خیر المجالس، ص ۱۸۲ ۹۲ سیر الاولیاء، ص ص ۲۱۸ - ۲۱۹

۹۳ سیر الاولیاء، ص ۲۴۸ ۹۴ خیر المجالس ص ۱۴۶ - ۱۴۷ ؛ فرشتہ، ۲/۳۹۵

۹۵ خیر المجالس، ص ۸۸ ۹۶ سیر الاولیاء، ص ص ۲۱۱ - ۲۱۲ ۹۷ اخبار الاخیار، ص ۱۶۸

تصنیفی تربیت کے لیے وظائف

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی طرف سے چار سو روپے ماہانہ کے دو وظائف دو سال کی مدت کے لیے دیے جائیں گے۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی طرف سے قیام کی سہولت حاصل رہے گی۔

درخواست دہندہ کا کسی معروف عربی درس گاہ کے درجۂ فضیلت یا اس کے مساوی درجہ سے فارغ ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت بھی ضروری ہے۔ بی اے پاس شدہ افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں بشرطیکہ عربی میں اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کی تصدیق کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں۔

(۱) نام (۲) عمر (چوبیس سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد اور مارکس شیٹ کی نقل کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقل (۷) ان موضوعات کی تفصیل جن سے درخواست دہندہ کو خصوصی دلچسپی ہو۔

درخواستوں کا ۲۰ رجون ۸۸ء تک ادارہ میں پہونچ جانا لازمی ہے۔

نوٹ: جو لوگ ہندی یا انگریزی میں لکھنا چاہتے ہوں یا جن کی مادری زبان علاقائی زبان ہو وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔ انتخاب انٹرویو کے بعد ہوگا جن لوگوں کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انھیں ایک طرف کا کرایہ سکنڈ کلاس مع سلیپر چارجز کے دیا جائے گا۔ درخواست اس پتہ پر روانہ کریں۔

سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱